اسلام میں اختلاف کے آداب

عربی سے ترجمہ و تلخیص از جناب عبد الحی ابڑو صاحب
استاذ شعبہ شریعہ و قانون، عالمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

(۱)

۱۔ اختلاف اور متعلقہ اصطلاحات کی تعریف[1]

ا۔ اختلاف اور خلاف: "اختلاف" اور "مخالفت" عربی الفاظ ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے اس کے کسی قول یا فعل میں الگ راہ اختیار کرے۔ "خلاف" کے لفظ میں "ضد" (بالعکس) کے مقابلے میں "عموم" پایا جاتا ہے، اس لیے کہ دو "ضد" بالعکس لازمی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جب کہ دو مختلف فیہ چیزوں کے لیے ضروری نہیں کہ ایک دوسرے کے لیے "ضد" (یا ایک دوسرے کا عکس) بھی ہوں۔ عام طور پر کسی بات میں لوگوں کے اختلاف کا نتیجہ چونکہ جھگڑے اور تنازعہ کی صورت میں نکلتا ہے اس لیے مجازی طور پر "اختلاف" کا لفظ تنازعے اور جھگڑے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ (مریم: ۳۷) ترجمہ: "مگر پھر مختلف گروہ باہم اختلاف کرنے لگے"۔ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ (ھود: ۱۱۸) ترجمہ: "مگر اب تو وہ مختلف طریقوں پر ہی چلتے رہیں گے"۔ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ

---

[1] اس سلسلہ مضامین کا اکثر و بیشتر حصہ ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی کی کتاب "ادب الاختلاف فی الاسلام" کے ترجمہ پر مبنی ہے۔

مُخْتَلِفٍ (ذاریات: ۸) ترجمہ: "تمہاری بات (کفار کی) ایک دوسرے سے مختلف ہے"
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ (یونس: ۹۳)
ترجمہ: "یقیناً تیرا رب قیامت کے روز ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔"

اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ "خلاف" اور "اختلاف" سے مراد کسی بات، رائے، حالت و ہیئت یا کسی موقف میں مطلق مغایرت (یا دُوری) ہے۔

فقہاء کے ہاں جو "علم الخلاف" کی اصطلاح مشہور ہے اس سے ایسا علم مراد ہے جس کے ذریعے کسی امام کی استنباط کردہ فقہی جزئیات کو حفظ کیا جاتا ہے اور کسی مخصوص دلیل کے بغیر اس کی مخالف آراء کو رد کر دیا جاتا ہے، اس لیے کہ اگر ان جزئیات کی پشت پر کوئی دلیل پیش کی جاتی تو ایسا شخص "مجتہد" یا "اصولی" کہلاتا، جب کہ "خلافی" (علم الخلاف کے ماہر) کے لیے فرض یہ کیا جاتا ہے کہ اسے فقہ کے دلائل سے سروکار نہیں ہوتا، بلکہ وہ کسی مسئلے کے حکم کے بارے میں صرف اپنے امام کی رائے کو کافی سمجھتا ہے جیسے اس نے اپنی رائے سے تلاش کیا ہے۔ اسی طرح اس کے امام کا قول کسی اور کے قول کو رد کر دینے کے لیے اس کے ہاں کافی دلیل ہے۔

ب: "جدل" اور "علم الجدل": جب فریقین میں سے دونوں یا کوئی ایک اپنی رائے یا موقف کو قابل لحاظ شمار کرتے ہوئے اس کا دفاع کرے، اور دوسروں سے بھی اس رائے کو منوانے یا اختیار کرانے کی کوشش کرے تو ایسی کوشش کو "جدل" کہا جاتا ہے۔

لغوی لحاظ سے "جدل" کا مطلب ہے: تنازع میں غلبہ حاصل کرنے کے طور پر گفتگو کرنا۔ جب کہ "علم الجدل" سے مراد ایسا علم ہے جس کے ذریعے مختلف فقہی اقوال کے دلائل میں تقابل کر کے قابلِ ترجیح قول کو واضح کیا جائے۔

بعض علماء نے "علم الجدل" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "یہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے کسی مطلوبہ غرض کی حمایت و تائید کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، چاہے وہ غرض باطل ہی کیوں نہ ہو، اور اس کی مخالف بات کو ساقط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، چاہے وہ حق ہی کیوں نہ ہو۔"[1]

[1] دیکھیے مفتاح السعادۃ ۲/۵۹۹ (مصر) اور التعریفات للجرجانی ص ۶۶ (مصر)

اِس تعریف میں جدل کے لغوی معنی کا اثر صاف نظر آتا ہے، اس لیے کہ اس تعریف کے مطابق "جدل" ایسا علم ہے جس کی بنیاد مخصوص دلائل پر نہیں، بلکہ یہ ایک ملکہ اور ذہنی استعداد ہے جسے کوئی بھی شخص حاصل کر لے، چاہے وہ قرآن وسنت اور دیگر علوم سے بے بہرہ ہی کیوں نہ ہو۔

ج ۔ شقاق: خلاف اور جدل کے بعد اسی سیاق میں ایک اور لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور وہ ہے "شقاق"۔

جب جھگڑے کا شکار ہونے والے فریقین کے مابین تنازعہ شدت اختیار کر جائے، اور دونوں میں سے ہر ایک حق اور راستی کی تلاش کے بجائے صرف غلبہ حاصل کرنا چاہے، اور مفاہمت اور اتفاق رائے مشکل ہو جائے تو ایسی حالت کو "شقاق" کا نام دیا جاتا ہے۔ "شقاق" کے اصلی معنی یہ ہیں کہ: فریقین میں سے ہر ایک کسی جگہ سے الگ الگ شق (حصے) میں ہو، گویا ایک جگہ دونوں کے لیے ناکافی ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا ۔ یعنی تمھیں میاں بیوی کے درمیان ایسے سخت اختلاف کا ڈر ہو کہ جس کے نتیجے میں ایسا تنازعہ پیدا ہو گا جس سے دونوں کی راہ (یا جگہ) الگ الگ ہو جائے گی۔ دوسری آیت میں بھی "شقاق" کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے: فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۔

مذموم اور مستحسن اختلاف

مشیتِ ایزدی کا تقاضا تھا کہ لوگوں کو عقل وفہم کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف پیدا کیا جائے۔ ان کی زبانیں، رنگ، سوچ اور فکر کے انداز بھی مختلف ہوں۔ ان کا نتیجہ اختلافِ رائے کی صورت میں برآمد ہونا قدرتی امر تھا۔ جیسا کہ ہماری زبانوں، رنگوں اور اشکال میں تنوع پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اسی طرح ہماری عقلوں، نقطۂ نظر اور ان سے جنم لینے والی آراء کا اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور اس کی قدرتِ کاملہ پر ایک دلیل ہے۔ بلاشبہہ اس کائنات کی تعمیر وترقی اور اس میں زندگی کا قیام اس صورت میں ممکن نہ تھا اگر تمام انسان ہر چیز میں یکساں پیدا کیے جاتے۔ لیکن اب ہر ایک اپنے اس کام میں مصروف ہے جس کے لیے اُسے تخلیق کیا گیا ہے: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۔ (ھود: ۱۱۸-۱۱۹)۔ ترجمہ: "اگر تیرا رب چاہتا تو تمام

انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے اور بے راہ رویوں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔"

اسلافِ اُمت کے درمیان جو اختلاف واقع ہوا (جو آج بھی موجود ہے) وہ اس قدرتی مظہر کا ایک حصہ ہے، اگر اختلاف اپنی مقررہ حدود سے تجاوز نہ کر جائے اور اپنے آداب و قواعد کا پابند رہے تو یہ ایک مثبت چیز ہے جس کے بے شمار فائدے ہیں۔

مستحسن اختلاف کے چند فوائد اگر اختلاف اپنی حدود کے اندر رہے اور اس سے تجاوز نہ کر جائے لوگ اختلاف کے آداب و طریقِ کار کو اپنا لیں تو اس کے کئی ایک مثبت پہلو ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ اگر نیت درست ہو تو ایسے اختلاف کے ذریعے ایک ہی معاملے کے کئی پہلو معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے، ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ کسی طور پر شرعی دلائل پر پورے اُترتے ہوں۔

۲۔ ایسے اختلاف کے ذریعے اذہان کی ریاضت و مشق ہوتی ہے، آرا کا تبادلہ ہوتا ہے، مختلف عقلیں جن احتمالات تک پہنچ سکتی ہیں ان تک پہنچنے کے لیے غور و فکر کی راہیں کھلتی ہیں۔

۳۔ ایسے اختلاف کے ذریعے جس شخص کو کوئی واقعہ یا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ اس کے سامنے کئی حل ہوتے ہیں، تاکہ ان میں سے جو اُسے اس لحاظ سے مناسب لگے کہ دین کی آسانی کے تصور سے قریب تر ہو (اس لیے کہ دین انسانوں کی روزمرہ زندگی میں پیش آمدہ مسائل و واقعات کے مطابق آتا ہے) اسے اختیار کر لے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر بے شمار فوائد اختلاف سے اس وقت حاصل کیے جا سکتے ہیں، جب اختلاف ان حدود و آداب کا پابند رہے، جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ لیکن اگر ان حدود و قیود کو بالائے طاق رکھا جائے تو یہ اختلاف جھگڑے، ضد اور ہٹ دھرمی کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جس کے نتائج نہایت ہی خطرناک صورت میں نکلتے ہیں، اُمت میں تفرقہ واقع ہوتا ہے، اور اختلاف تعمیر کے بجائے بگاڑ کا سبب بن جاتا ہے۔

مختلف عوامل کے لحاظ سے اختلاف کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً:

خواہشِ نفس کی بنیاد پر اختلاف کبھی اختلاف کی بنیاد کسی ذاتی مفاد یا غرض کی تکمیل کے لیے

پیدا شدہ نفسانی خواہش ہوتی ہے۔ یا اپنے علم وفہم اور فقہ دانی کی نمود و نمائش کا جذبہ اختلاف کا محرک ہوتا ہے، ایسے اختلاف کی تمام شکلیں بری ہیں۔ اس لیے کہ اس میں خواہشِ نفس کا حصہ تلاشِ حق کے جذبے پر غالب رہتا ہے، جب کہ خواہشِ نفس کبھی بھلائی اور خیر کا سبب نہیں بنتی، اس لیے کہ یہ کفر کی طرف لے جانے والی شیطانی سواری ہے۔

ارشاداتِ ربانی ہیں:

— اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ - (البقرہ ۲: ۸۷)

ترجمہ: "یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشِ نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا۔ تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی۔ کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔"

— فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا - (النساء: ۱۳۵)

ترجمہ: "اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔"

— قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (الانعام-۵۶)

ترجمہ: "کہو، میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، اگر میں نے ایسا کیا تو گمراہ ہو گیا، راہ راست پانے والوں میں سے نہ رہا۔"

— وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ - (ص-۲۶)

ترجمہ: "اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کے راہ سے بھٹکا دے گی۔"

— وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ - (المومنون-۷۱)

ترجمہ: "اور حق اگر کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔"

— وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام-۱۱۹)

ترجمہ: "بکثرت لوگوں کا حال یہ ہے کہ علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بنا پر گمراہ کن باتیں کرتے ہیں"۔

خواہشِ نفس کی کئی قسمیں اور متعدد طریقے ہیں، تمام کا محور ہوس، خود پسندی اور انانیت ہے۔ یہی خواہشِ نفس بیشتر غلطیوں اور متعدد انحرافات کو وجود میں لاتی ہے جو اس کے جال میں پھنس جاتا ہے وہ اس کے لیے باطل سے قریب اور حق سے دُور کر دینے والی ہر چیز کو خوشنما بنا کر پیش کرتی ہے۔ یہاں تک کہ حق اس کے سامنے باطل اور باطل حق کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ (العیاذ باللہ) کئی گمراہ اقوام کے تفرقوں اور دینِ حق میں بدعات گھڑنے والوں کے اختلاف کا سبب اسی آفت (خواہشِ نفس) کو ٹھیرایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر یہ مہربانی اور کرم ہے کہ اس نے انہیں صحیح افکار و عقائد کو خواہشِ نفس کی گرفت سے بالا تر رکھنے کی ہمت و توفیق بخشی، ورنہ وہ انہیں گمراہی کے گڑھے کی طرف دھکیل دیتی۔ خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ایمان کی شمعیں روشن کیں، تاکہ ان کے ذریعے وہ مذاہب، نظریات اور اعتقادات کے کھوٹے اور کھرے میں تمیز کر سکیں۔ اس لیے کہ ان کے سچے یا جھوٹے ہونے کا کوئی ظاہری وجود تو ہے نہیں، البتہ اُن کا ایک ذہنی اور خیالی یا معنوی وجود ضرور ہے، جسے خواہشِ نفس خوشنما بنا کر نفس کے سامنے پیش کرتی ہے، اگرچہ فی الواقع وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اختلاف میں نفس پرستی کی جانچ

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کسی نظریے یا فکر میں خواہشِ نفس کا کس حد تک اثر ہے، کئی طریقے ہیں، کچھ بیرونی اور کچھ داخلی۔

اس کسی بھی فکر کے پیچھے خواہش کے عمل دخل کو معلوم کرنے کے بیرونی ذرائع میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فکر یا نظریہ قرآن و سنت کے صریح احکام سے ٹکرائے۔ اس لیے کہ حق کے متلاشی ہونے کے دعوے دار کسی شخص سے یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسی فکر کی پیروی کرے گا جو کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ سے متصادم ہو۔

ان ذرائع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ فکر یا نظریہ عقلِ سلیم سے ٹکراتا ہو، جیسے کوئی نظریہ اگر غیر اللہ کی عبادت، یا لوگوں کی زندگیوں میں شریعتِ الٰہی کے علاوہ دیگر قوانین کو نافذ کرنے کی دعوت دیتا ہو، یا زنا کے جرم کو مباح ٹھیراتا ہو، یا جھوٹ کو اچھا ثابت کرتا ہو، یا فضول خرچی پر اُبھارتا ہو تو

ایسا نظریہ بلاشبہ خواہشِ نفس ہی کی پیداوار ہو سکتا ہے، اور اس کی طرف بلانے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی زمامِ کار شیطان کے ہاتھ میں ہو۔

۲۔ خواہشِ نفس کی دخل اندازی کو معلوم کرنے کا دوسرا ذریعہ داخلی ہے۔ کسی بھی فکر یا نظریے کے مأخذ کے بارے میں تھوڑی سی سوچ بچار کرنے اور اپنی ذات سے صدقِ دل سے پوچھ گچھ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم کیا جائے کہ ایسے نظریے کے حامل شخص کے ارد گرد کے حالات کا اس پر کتنا اثر ہے؟ اور اگر یہ حالات تبدیل ہو جائیں تو وہ کس حد تک اپنے اس نظریے پر قائم رہ سکتا ہے؟ کیا کوئی ایسا لاشعوری دباؤ تو موجود نہیں جس نے اسے اس راہ پر چلنے پر مجبور کر دیا ہے؟ اس کے بعد خود اس نظریے کے متعلق تحقیق کی جانی چاہیے۔ اگر اس کے اندر کوئی جھول ہو اور چند جذبات کی بنا پر کبھی مضبوط اور کبھی کمزور ہو جاتا ہو تو سمجھ لیجیے کہ ایسا نظریہ یا نظامِ فکر خواہشِ نفس کی پیداوار اور شیطانی وسوسہ ہے جس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے خواہشاتِ نفس کی رَو میں بہہ جانے سے قبل راہِ حقیقت دکھا دی۔

حق کی بنیاد پر اختلاف

کبھی اختلاف ایسا ہوتا ہے کہ جس میں خواہشِ نفس کا کوئی دخل نہیں، ایسے اختلاف کی بنیاد حق پر ہوتی ہے، علم و عقل اس کے متقاضی ہوتے ہیں اور ایمان اسے فرض قرار دیتا ہے۔ جیسے اہلِ ایمان کا کفر، شرک اور نفاق والوں سے اختلاف ایسا فرق ہے جس سے کوئی مسلمان انحراف نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسے ختم کرنے کی دعوت دے سکتا ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد ایمان اور حق پر ہے۔ اسی طرح مسلمان کا کافرانہ اور لادینی عقائد رکھنے والوں کے سامنے (جیسے یہودیت، عیسائیت، بت پرستی اور سوشلزم کے سامنے) اختلاف بھی ایسا ہی ہے۔ البتہ ان اقوام اور عقائد کے سامنے اختلاف اس بات میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے کہ اس کے اسباب کو ختم کرنے کی (بذریعہ دعوت) کوشش کی جائے، تاکہ لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو جائیں اور اس اختلاف کے اسباب مثلاً کفر، شرک، ہٹ دھرمی، منافقت، بُرے اخلاق، الحاد و لادینیت، بدعات اور ایسے منکرات کی ترویج و اشاعت کی کوششوں کو چھوڑ دیں۔

اختلاف میں مستحسن اور مذموم دونوں پہلو

یہ ان فقہی جزئیات کے بارے میں اختلاف ہے جن کے حکم کے بارے میں متعدد احتمالات ہو سکتے ہیں جن میں سے مختلف اسباب اور دلائل کی

روشنی میں کسی ایک حکم کو ترجیح دی جا سکتی ہو (جن کے بارے میں بحث آگے آئے گی)۔ اس تیسری قسم کی کئی مثالیں ہیں۔ جیسے کسی زخم سے نکلنے والے خون، یا جان بوجھ کر قے کرنے پر وضو کے ٹوٹ جانے یا نہ ٹوٹنے کے بارے میں اختلاف، یا قراءۃ خلف الامام، فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے اور آمین زور سے کہنے کے بارے میں علماء کا آپس میں اختلاف اور اس طرح کی بے شمار مثالیں۔ اختلاف کی اس قسم میں لغزشِ فکر کا بڑا امکان ہے، اس لیے کہ اس میں ممکن ہے کہ خواہشِ نفس تقویٰ کے ساتھ، علم ظن وتخمین کے ساتھ، راجح مرجوح کے ساتھ اور مردود مقبول کے ساتھ مل جل جائے۔ ان خطروں سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ ایسے قواعد وضوابط کی پابندی کی جائے جنہیں اختلاف کی صورت میں فیصل بنایا جا سکے، اور جو اس اختلاف کو کنٹرول کریں۔ ورنہ اختلاف، ضد، ہٹ دھرمی اور جھگڑے کی صورت اختیار کرے گا۔ اور فریقین تقویٰ کے مقام سے خواہشِ نفس کے گڑھے میں جا گریں گے۔ بے ہنگم پن نمودار ہوگا۔ اور شیطان کو اپنے سینگ اُٹھانے کا موقع ملے گا۔

اختلاف کے بارے میں علماء کی رائے ان تمام باتوں کے باوصف، چند علمائے اُمت نے اختلاف کی تمام اقسام سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "اختلاف شر ہے"۔[۱] امام سبکیؒ فرماتے ہیں:

"...... رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اختلاف نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۔ (البقرۃ ۔ ۲۵۳)

ترجمہ: "مگر انہوں نے باہم اختلاف کیا، پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی"۔

اسی طرح سنّتِ رسول میں بھی یہی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"بلاشبہ بنی اسرائیل کثرتِ سوال اور اپنے انبیاء کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوتے"۔

اس بارے میں بے شمار آیات واحادیث موجود ہیں۔ امام سبکیؒ نے اختلاف کی تیسری قسم (جو ذم و استحسان دونوں کی حامل ہو سکتی ہے) کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں: "........ اختلاف کی تین

---

[۱] العواصم من القواصم ص ۷۸، [۲] المحصول للرازی جلد ۲ ق ۱ ص ۴۸۰

قسمیں ہیں۔ پہلے بنیادی اصول میں اختلاف، اسی کا ذکر قرآن مجید (کی پچھلی آیات) میں وارد ہوا ہے۔ بلاشبہ ایسا اختلاف بدعت وگمراہی ہے۔ دوسرے آرا اور جنگوں کے بارے میں اختلاف، یہ بھی ناجائز ہے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے اُمت کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔ تیسرے فروع اور جزئیات میں اختلاف، جیسے کسی چیز کے جائز یا ناجائز وغیرہ ہونے میں اختلاف[1]۔ جس کے بارے میں (ان کی رائے کے مطابق) اتفاق رائے سے بہتر ہے۔ امام سبکیؒ نے یہاں اختلاف کی مذمت میں امام ابن حزم ظاہریؒ کے ایک قول کا بھی حوالہ دیا ہے، جس میں انھوں نے کسی بھی اختلاف کو "رحمت" نہیں کہا، بلکہ تمام اختلافات کو عذاب ہی قرار دیا ہے۔

اختلاف کے نقصانات اور خطرات کو جاننے کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ خدا کے نبی ہارون علیہ السلام نے اختلاف کو بتوں کی عبادت سے زیادہ خطرناک اور ضرر رساں شمار کیا ہے۔ جب سامری نے اپنی قوم کی پوجا کے لیے سونے کا ایک بچھڑا تیار کیا اور انہیں کہا کہ "یہ (معاذ اللہ) تمہارا اور موسیٰؑ کا معبود ہے"۔ تو حضرت ہارونؑ نے خاموشی اختیار کرلی اور اپنے بھائی (موسیٰؑ) کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ جب موسیٰؑ آئے اور قوم کو بچھڑے کی عبادت میں مشغول پایا تو اپنے بھائی کو سخت ملامت کی۔ یہاں اُن کے بھائی نے یہ عذر پیش کیا کہ: "اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی نہ پکڑ، نہ میرے سر کے بال کھینچ، مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آکر کہے گا کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی، اور میری بات کا پاس نہ کیا" (طٰہٰ: ۹۴)۔ تو حضرتِ ہارون نے قوم کے افتراق اور اختلاف کو اس بات کا عذر بنا کر پیش کیا کہ وہ اس کے اندیشے سے انہیں زیادہ سختی سے نہ روک سکے اور مقابلہ نہ کیا۔ (باقی)

---

[1] الابہاج ۳/۱۳